رشید احمد (جالندھری)

دنیا سے لاتعلقی اور عدل عمرانی سے وابستگی

(ترجمہ: الطاف جاوید)

"یہ انگریزی مقالہ جو المعارف جولائی۔ستمبر ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۹۹ء کو روم کے ایک سیمینار میں پڑھا گیا' جس کا اہتمام روم میں عربی اور اسلامی مطالعات کے پاپل ادارہ نے کیا تھا۔" اردو ترجمہ' جو محترم الطاف جاوید کے قلم سے ہے۔ قارئین کی نذر ہے۔" (ادارہ)

دنیا کے متعلق قرآن کریم کا نقطۂ نظر

قبل اس کے کہ ہم سیمینار میں زیر بحث موضوع: "دنیا سے لاتعلقی اور عدل عمرانی سے مضبوط پیمان وفا" پر کچھ کہیں' قرآن حکیم نے دنیا کے متعلق جو کچھ کہا ہے' اسے نہایت اختصار سے بیان کر دیا جائے۔ قرآن نے زمین و آسمان کی تخلیق اور گردش لیل و نہار کے بارے میں اہل ایمان کے رویہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"بے شبہ آسمان و زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں ان ارباب دانش کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں وہ ارباب دانش جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے' کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں' لیٹے ہوں۔ جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں) خدایا! یہ

سب کچھ تو نے بے مقصد نہیں بنایا' تو پاک ہے' اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لیجیو۔" (۱۹۱:۳)

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے' کچھ کھیل کود کے طور پر نہیں بنایا ہے۔" (۱۶:۲۱)

قرآن بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ کائنات کی خلقت ایک مقصد کے لیے کی گئی ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ کائنات کی تخلیق ایک حقیقی تخلیق ہے اور خدا کائنات کا مالک مطلق ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے' وہی اس کا مالک ہے۔ (۴۲: ۴)۔ مگر یہ دنیا دوسری (اخروی) دنیا کی نسبت جو اس سے بہتر اور زیادہ پائدار ہے' ایک ادنیٰ دنیا ہے۔[4] (۱۷:۸۷)

قرآن بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ موجودہ زندگی کھیل کود سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی' یہ ایک خوبصورت نمائش ہے۔ یہ دنیا جگہ ہے' ایک دوسرے سے شیخی بگھارنے کی اور زیادہ سے زیادہ مال و دولت اور اولاد کے حصول کی۔ (۲۰:۵۷)۔ اس لیے انسان کو اپنی خواہشات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ قرآن کہتا ہے کہ "لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً برحق ہے۔ پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور دیکھنا وہ (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے نہ پائے۔" (۵:۳۵)

جہاں تک انسان کا تعلق ہے' "یہ یقیناً دوسری مخلوق کی طرح خدا کی مخلوق ہے۔ لیکن یہ خدا کی ایک منفرد تخلیق ہے۔ کیونکہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ (Vicegerent) بے شبہ انسان اپنی ذات میں ملکوتی الاصل (Divine Origin) ہے' اس میں آسمانی روح کام کر رہی ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

"جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم (آسمانی مخلوق) اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ (۱۵: ۲۹) اگرچہ یہ زمین و آسمان اور یہ کائنات جو خدا کی

عظمت و کبریائی کی علامت ہیں' خدائی ارادہ کے سامنے سرنگوں ہیں۔ لیکن انسان اس سلسلہ تخلیق میں منفرد (unique) تخلیق ہے۔ خدا کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اپنے مشن کو سرانجام دینے کے لیے آزاد ارادہ کا مالک ہے۔[۲] انسان اپنی قوت ارادی (volition) سے جس راہ کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

جس راہ کی طرف جو جانا چاہتا ہے' ہم اس کو اسی طرف موڑ دیتے ہیں۔ (۱۱۵:۴) خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے جو (اچھی) کمائی کی ہے' اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے' اس کا وبال اسی پر ہے۔ (۲۸۶:۲)

انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ چنانچہ اگر وہ قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو وہ اپنی اس حرکت پر سوسائٹی یا خدا کو الزام نہیں دے سکتا۔ دراصل یہ ارادہ کی آزادی تھی کہ انسان نے خدائی امانت (Trust) کو قبول کر لیا جس کے متعلق قرآن کہتا ہے:

"ہم نے اس (بار) امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا' تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان تھا۔"[☆] (۷۲:۳۳)

چنانچہ انسان کے سامنے دونوں راہیں' نیکی کی اور بدی کی کھلی ہیں۔ اگر وہ اپنے خدائی مشن کو مکمل کرتا ہے' تو وہ یقیناً سعادت و مسرت کو حاصل کر لے گا۔ لیکن اگر وہ اپنے آپ کو تاریکی میں دفن کرے گا تو یہ نقصان میں رہے گا۔ (۹:۹۱)

بے شبہ انسانی زندگی فتنوں اور اپنی داخلی کمزوریوں کی گرفت میں ہے۔ انسان کو درپیش انہی مشکلات کے باعث پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا ہے: "جنت مشکل اور تکلیف دہ ماحول میں گھری ہوئی ہے جب کہ جہنم خوشگوار یا پر کشش خواہشات کے نرغے میں ہے۔"[۳] پس جس نے اپنی داخلی بیماریوں پر قابو پالیا' وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہے' جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے:

☆۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی کا کہنا ہے کہ یہاں انسان کو "ظالم اور جاہل" از رہ ترحم کہا گیا ہے۔

"اور جو اپنے حرص نفس سے بچالیا گیا' وہی لوگ کامیاب (Prosperous) ہیں۔ (۸:۵۹)

یہ کہنا شاید بے جا نہ ہو گا کہ ایک آدمی کا اپنی ذات کے خلاف جنگ کرنا ایک نہایت ہی مشکل کام ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ یہ راہ اپنی آخری منزل کی طرف جاتی ہوئی بڑی ہی پرکٹھن ہے۔ اور خطرات اور ترغیبات سے بھرپور۔ اس کے باوجود انسان اپنے ارادہ کی طاقت' اپنے مقصد کی لگن اور خدائی قرب سے یقیناً ان رکاوٹوں پر قابو پا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ انسان میں خدا اور کائنات کے ساتھ اس کے گوناگوں تعلقات کا بلند شعور پیدا کرنا چاہتا ہے۔[۴] بے شبہ خدا اور فطرت کے ساتھ انسان کے اپنے تعلقات اسے اپنے اور انسانی مسائل کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دولت' جائداد یا طاقت جو نام و نمود اور فخر کا ذریعہ ہیں' بذات خود کوئی برائی نہیں ہیں۔ دراصل جائز طریق سے دولت' طاقت اور مادی اشیاء کا حصول' اسی طرح خدائی عطیہ ہیں جس طرح عقل' علم اور بصیرت جن سے خدا نے انسان کو نوازا ہے۔ چنانچہ اسلام نہ تو روحانی تکمیل کے نام پر خدائی عطیات کو ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور نہ ہی خدائی عطیات سے لطف اندوز ہونے کے لیے عیش و عشرت میں غرق ہونے کو پسند کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں رہبانیت اور عیش و عشرت' انتہاپسندی کی علامتیں ہیں' جن کا اسلامی روایات میں کوئی مقام نہیں۔ اس مسئلہ پر قرآن کہتا ہے: "اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور بے جا نہ اڑاؤ۔ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی ﷺ ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے۔ جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے۔ اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں۔ اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہی کے لیے ہوں گی۔ اسی طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں' ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے والے ہیں۔ (۷:۳۱-۳۲)

اسلام انسانی زندگی کو اس دنیا میں ایک عارضی قیام قرار دیتا ہے اور مال و دولت کے

حصول کو ایک سریع الزوال جائداد یا ملکیت قرار دیتا ہے چنانچہ انسان غرور یا خود فریبی کا شکار ہو کر سچائی سے اپنا رشتہ توڑ بیٹھتا ہے۔ سچائی سے خالی زندگی زندگی نہیں' شرمندگی ہے۔

قرآنی فرمودات اور پیغمبر اسلام ﷺ کی روایات کی روشنی میں ایک انسان کہہ سکتا ہے کہ اسلام اس دنیا کو ایک عارضی قیام گاہ قرار دیتا ہے۔ جس میں ایک صاحب ایمان اپنے کو آنے والی دنیا کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس لیے وہ اس دنیا میں ایک اجنبی کی حیثیت سے رہتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے: ''اس دنیا میں ایک اجنبی یا مسافر کی طرح رہو۔''(۵) اس دنیا میں اپنی رہائش کی وضاحت کرتے ہوئے پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً یہ دنیا اور میں (گھوڑے پر) ایک سوار کی حیثیت رکھتے ہیں' جو تھوڑی دیر کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے سستاتا ہے اور پھر روانہ ہو جاتا ہے۔''(۶)

قرآن اور پیغمبر ﷺ نے بار بار اہل ایمان کو یاد دلایا ہے کہ یہ دنیا ایک دن ختم ہو جائے گی اور ہر شخص کو خدائی عدالت میں اپنے کیے کا حساب دینا پڑے گا۔ لیکن دنیا کے ختم ہو جانے کا علم صرف خدا ہی کو ہے۔ کوئی شخص اس دنیا کے خاتمہ کا وقت نہیں بتا سکتا۔ قرآن کہتا ہے کہ: ''یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ آخر وہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ کہو اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اسے اپنے وقت پر ہی ظاہر کرے گا۔ آسمانوں اور زمین میں وہ بڑا سخت وقت ہو گا۔ وہ تم پر اچانک آجائے گا۔ یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تم اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہو۔ کہو کہ اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔ مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ (۷:۱۸۷)(۷)

ہم پہلے اس دنیا میں عارضی قیام سے متعلق پیغمبر ﷺ کی بعض باتوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم پیغمبر ﷺ کی سادہ زندگی اور اس دنیا سے ان کی لاتعلقی کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

روایات کے مطابق قیام مدینہ میں پیغمبر ﷺ کی خوراک کھجوروں پر مشتمل تھی' اس

کے علاوہ وہ بکری کے دودھ کا ایک پیالہ اپنے انصار پڑوسیوں سے حاصل کرتے تھے۔ ان کی دشوار زندگی کے متعلق ان کی بیوی حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ مدینہ میں ان کی آمد سے لے کر ان کی وفات تک ان کے خاندان کو مسلسل تین دن تک گیہوں کی روٹی نصیب نہیں ہوئی تھی۔[۸] پیغمبرﷺ دعا مانگا کرتے تھے: خدایا! محمد(ﷺ) کے خاندان کو گزر اوقات کے ذرائع عطا فرما۔[۹] حقیقت یہ ہے کہ خود پیغمبرﷺ اور ان کے قریبی ساتھی بھی اپنی مادی زندگی میں "زیادہ" کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ ان کے قریبی دوستوں میں سے چند احباب اپنی تاجرانہ کوششوں کے سبب خوشحال اور آسودہ زندگی کے مالک تھے۔ مثال کے طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ مگر جب رسول اللہﷺ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت صرف پانچ ہزار درہم ان کے پاس تھے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت غلاموں کی آزادی پر صرف کر دی۔ رسول اللہﷺ حضرت ابوبکرؓ کی اس خدمت کو بہت پسند کرتے اور فرماتے: "ابوبکرؓ اپنی رفاقت اور دولت میں میرے ساتھ بہت سخی اور مہمان واقع ہوئے ہیں۔ اگر میں (دنیا میں) اپنے لیے کسی دوست کا انتخاب کرتا تو ابوبکرؓ کا کرتا۔ (مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ خدائی محبت کے سوا میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے)۔[۱۰] رسول اللہﷺ نے اپنی وفات کے بعد اپنی کوئی دولت یا جائداد نہیں چھوڑی۔ اپنی اس پیغمبرانہ روش کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہم پیغمبروں کا ایک خاندان ہے۔ اپنے بعد جو کچھ چھوڑتے ہیں' وہ دوسروں کی بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔[۱۱] جب ایک انسان دنیا سے لاتعلقی کے اس مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اس کی بولی میں زندگی' موت' مال و دولت اور غربت کے معنی بدل جاتے ہیں۔ اب اس کے نزدیک سچائی سے خالی زندگی' زندگی شمار نہیں ہوتی۔ اور سچائی کی راہ میں موت زندگی قرار پاتی ہے۔ حقیقی تونگری کی وضاحت کرتے ہوئے پیغمبرﷺ نے فرمایا کہ دولت مند ہونے کا معنی مال کی کمی یا زیادتی نہیں ہے بلکہ مال و دولت کی خواہش سے روح کی بے نیازی کا نام دولت مندی ہے۔[۱۲]

پس فقر (غربت) کا معنی انسانی روح کی بے نیازی کا نام ہے۔ جسے دنیا سے لاتعلقی کہا جاتا ہے۔ انسانی ذہن کی یہ کیفیت یا مقام دنیا کی ایک بڑی صداقت ہے۔ چنانچہ ایک خوشحال آدمی اس ذہنی کیفیت کے ساتھ فقیر یا زاہد تصور کیا جا سکتا ہے یعنی ایک آدمی جو خدا کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔ جب کہ ایک روایتی زاہد یا فقیر جو اس روحانی مقام سے محروم ہے۔ مکار سمجھا جائے گا۔ ایسے زاہد آدمی کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

(نیز وہ مال) ان غریب مہاجروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی راستباز لوگ ہیں۔ (۸:۵۹)

صوفی ادب میں لفظ فقر کو زہد کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ زہد یا زھادہ کا معنی ایسی بات جو جذبات اور حواس کو اطمینان اور تسلی دے۔ اگر ایک آدمی ریاضت یا عبادت (Devotion) کے عمل میں کم از کم جائز چیزوں کو حاصل کرتا ہے۔ اور باقی اشیاء کو خدا کے لیے ترک کرتا ہے۔ یا کم از کم کھاتا ہے' ایسے آدمی کو زاہد کہا جاتا ہے۔[۳] ایسے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر ایسے آدمی کو دیکھو جس نے دنیا سے لاتعلقی اختیار کر لی ہے' اور بہت کم کھاتا ہے تو تمہیں ایسے آدمی کی رفاقت اختیار کرنی چاہیے' کیونکہ وہ عقل کو دنیوی ترغیبات سے آزاد کراتا ہے۔ زہد کا معنی یہ نہیں کہ ایک شخص کسی چیز کا مالک ہی نہ ہو' اس کے برعکس اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی چیز تمہیں اپنی گرفت میں نہ لے سکے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے کہا ہے۔

آیئے اب ہم اپنے بنیادی موضوع پر بات کریں۔ یعنی دنیا سے لاتعلقی اور عدل عمرانی سے وابستگی یقیناً یہ موضوع موجودہ دنیا میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ ہماری اجتماعی زندگی خدا اور فطرت سے بہت دور چلی گئی ہے۔ انسان جو مشین کا غلام بن چکا ہے۔ وہ اب تفکر' مراقبہ اور اپنے محاسبہ کے لیے وقت نہیں رکھتا۔ نتیجہ عام طور پر انسانی معاشرہ اور خصوصاً تیسری

دنیا پر ذلتی مفاد اور موقع پرستی کی حکمرانی ہے۔ اور اس (موقع پرستی) کے نزدیک دنیا سے بے تعلقی اور عدل عمرانی سے وابستگی کی بات ایک بے معنی بات ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ قرآن بار بار یاد دلاتا ہے کہ دنیا عارضی رہائش گاہ ہے' جس میں اہل ایمان کو آنے والی دنیا کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔ یہ تیاری اسلام میں دو بڑے اصولوں پر مبنی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کا خدا کے ساتھ تعلق' دوسرے انسان کا اپنی بنی نوع کے ساتھ تعلق۔ پہلے اصول یعنی بندہ و خدا کے تعلقات' پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی دعوت کی ابتداء ہی میں یہ واضح کر دیا تھا کہ دنیا کی تخلیق کرنے والی صرف خدا ہی ذات گرامی ہے۔ اس لیے وہی ذات پرستش و عبادت کی حقدار ہے۔ شرک جو مکہ والوں کا عام عقیدہ تھا' ایک قابل شرم اور عظیم گناہ تصور کیا گیا۔ خدا اور پیغمبر نے عبادت (الصلوہ) پر بہت زور دیا۔ کیونکہ عبادت (نماز) کے ذریعے ہی انسانی روح خدا کے ساتھ جو زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اپنا رشتہ جوڑتی ہے۔ اس تعلق سے انسان اپنی خود فریبیوں اور دینوی ترغیبات پر قابو پا سکتا ہے۔ عبادت دراصل (الصلوہ) ارض و سماء اور لا محدود اور محدود کے باہم ملنے کی جگہ ہے۔ یہ عبادت ہی ہے جس کے ذریعے انسان خدا کے اسمائے حسنی کی خوب صورتی کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

"اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے' اس کو اچھے ناموں ہی سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں' اس کا بدلہ وہ پا کر ہی رہیں گے۔ (۷:۱۸۰) جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کو اپنے لیے ننگ اور عار تصور کرتا ہے۔ اور خدائی طاعت کو ایک شرف اور عزت سمجھتا ہے۔ ابراہیمؒ بن ادہم جو بلخ کے ممتاز صوفی تھے' عبادت کے وقت کہتے تھے: "اے خدا مجھے نافرمانی کی ذلت سے اٹھا کر اپنی اطاعت کی عظمت تک پہنچا دے۔"(۴)

قرآن کہتا ہے کہ انسانی قلوب کو خدا کی یاد ہی سے سکون و قرار ملتا ہے۔ (۱۳:۲۸)

"نماز (حسن مطلق سے ملنے کے لیے) انسان کے داخلی جذبہ شوق کا اظہار ہے' جو کائنات کی گہری خاموشی کا جواب ہے۔ نماز انکشاف (ذات) کا ایک منفرد عمل ہے۔ جس کے ذریعے جستجو کرنے والی انا (ذات) اپنی ہی نفی میں اپنے آپ کو پالیتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ذات کی قدر و قیمت اور کائنات کی زندگی میں ایک متحرک عنصر کی حقیقت کا جواز بھی تلاش کرلیتی ہے۔[۱۵] پس عبادت کو اسلامی تعلیمات میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ جس کے بغیر ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح عبادت یا ریاضت قہانی اور خلوص کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ عبادت کی بلند سطح جیسا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے یہ ہے "گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تمہیں یہ مقام حاصل نہیں تو یہ سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔"[۱۶] القصہ عبادت دراصل آسمان کی طرف ایک مقدس سفر ہے۔ ایک صاحب ایمان کے رویہ کا اظہار ہے۔ دنیا سے لاتعلقی دراصل اس بات کا اظہار ہے کہ دنیا انسان کے لیے ہے' انسان دنیا کے لیے نہیں ہے۔

عدل عمرانی سے وابستگی (Commitment)

عدل عمرانی پیغمبر ﷺ کے پیغام کا دوسرا بنیادی اصول ہے' جس کا پہلے اصول: توحید سے گہرا تعلق ہے' واقعہ یہ ہے کہ خدا کی وحدت کے تصور میں وحدت انسانیت کا تصور بھی مضمر ہے۔ قرآن اور پیغمبر ﷺ تمام انسانوں کو باہم بہن بھائی تصور کرتے ہیں یعنی خدا کا کنبہ قرار دیتے ہیں۔ (الخلق عیال اللہ)۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمام مخلوق خدائی کنبہ ہے۔ جو اس کنبہ کی جتنی زیادہ خدمت کرتا ہے وہ اسی قدر اس کی نگاہ میں عزیز تر ہے۔[۱۷] پیغمبر ﷺ نے اپنی سوسائٹی کے پسماندہ افراد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: تمام انسان آدم کی اولاد ہیں' صرف نیکی ہی انسان کو خدا کی نظر میں پسندیدہ شخصیت قرار دیتی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کی نگاہ میں تم میں سب سے

زیادہ عزت والا وہی ہے' جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ (۴۹:۱۳)

قیام مکہ میں آپ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ اپنی سوسائٹی کے غریبوں' یتیموں' مسافروں اور غلاموں کی مالی مدد کریں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن نے جہاں جہاں عبادت کا حکم دیا ہے' وہیں ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم بھی دیا ہے۔ اس لیے بجا طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ غریبوں کی مدد سے انکار دراصل دین کا انکار ہے۔ ایسے افراد کے لیے قرآن کہتا ہے: کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے' وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔

پھر تباہی ہے' ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں' جو ریاکاری کرتے ہیں۔ اور معمولی ضرورت کی چیزیں بھی (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔ (۱۰۷:۱-۷)

قیام مکہ میں پیغمبر ﷺ نے معاشرہ کے غریب افراد کی بہبود کے لیے زکاۃ کا حکم دیا۔ لیکن مکہ کے بڑے بڑے تاجر پیغمبر ﷺ کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ وہ پیغمبر ﷺ کے پیغام اور سوسائٹی کے نادار طبقہ کی خوش حالی کے لیے ان کی دعوت یعنی زکوٰۃ کو اپنے "سماجی مقام" کے لیے ایک خطرہ تصور کرتے تھے۔

اہل مکہ کی سخت مخالفت کے باوجود پیغمبر ﷺ نے اپنی تبلیغ کو جاری رکھا۔ مکہ کے سرداروں نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ بیٹھنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ وہ اپنے غریب ساتھیوں سے اپنا تعلق توڑ لیں۔ قرآن نے پیغمبر ﷺ سے کہا کہ وہ مکہ کے سرداروں کے مطالبہ کو تسلیم نہ کریں۔ مکہ کے سرداروں کے غیر انسانی مطالبہ کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ: اور ان لوگوں کو جو صبح و شام خدا کے حضور مناجات کرتے اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اپنے پاس سے نہ نکالو' ان کے کاموں کی جواب دہی تمہارے ذمہ نہیں' نہ ہی تمہاری ذمہ داری ان کے ذمہ

ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۶:۵۲)

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں تھی کیونکہ آپ سے پہلے انبیاء بھی مثلاً حضرت ابراہیم ؑ، ان کے بیٹے اور حضرت مسیح ؑ اسی پیغام کی تبلیغ کرتے تھے۔ حضرت مسیح ؑ کے پیغام کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا۔ جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ (۱۹:۳۰-۳۳)

چنانچہ قرآن کے مطابق حضرت مسیح ؑ نے عبادت اور نادار لوگوں کی مالی امداد (زکوٰۃ) کا حکم دیا۔ حضرت مسیح ؑ نے اس راہ میں مشکلات کا سامان کیا۔ لیکن اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ قرآن نے ہمیں بتایا کہ حضرت مسیح ؑ کے مخالف، ان کے آسمانی پیغام کو ناکام کرنے میں یک قلم ناکام رہے۔"

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت مسیح ؑ کے اسی آسمانی پیغام کو دوبارہ دہرایا اور مکہ والوں سے کہا کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کریں اور غریبوں کی بہبود کے لیے زکوٰۃ دیں۔

پیغمبر ﷺ کی بھی مخالفت کی گئی اور تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے حالات کا صبر اور مضبوط ارادہ کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مکہ کے سردار دوبارہ پیغمبر ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے پیغمبر ﷺ کو شہر کی فیصلہ کرنے والی کونسل کا ممبر بنانے کی دعوت دی۔ بشرطیکہ وہ اپنے پیغام کو ترک کر دیں۔ مگر پیغمبر ﷺ نے دوبارہ ان کی پیش کش کو مسترد کر دیا۔[۱۸]

مدینہ میں ہجرت کے بعد پیغمبر ﷺ اس پوزیشن میں آ گئے تھے کہ وہ نئی سوسائٹی کے ممبروں کی خوشحالی کے لیے زکوٰۃ کو فرض قرار دے دیں۔ قرآن نے ان افراد کی فہرست دی ہے جو زکوٰۃ فنڈ سے مدد حاصل کرنے کے حقدار ہیں۔ زکوٰۃ سے استفادہ کرنے والوں میں سے نادار بھی

(الفقراء) تھے۔ (۹:۶۰) یہ لفظ الفقراء (عربا) مسلم اور غیر مسلم دونوں پر صادق آتا ہے۔ جیسا کہ ہمیں قدیم مفسروں نے بتایا ہے۔[۱۹] لہٰذا عبادت (الصلوٰۃ) اور انسانی بہبود کے لیے ٹیکس (زکوٰۃ) ایمان کا لازمی حصہ ہیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ جو پیغمبر ﷺ کے قریبی دوست تھے۔ ۶۳۲ء میں پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد مسلم جماعت کے سربراہ بنے تو بعض عرب قبائل نے حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم عبادت (نماز) ادا کرتے ہیں، مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی اس "نرالی منطق" کو مسترد کر دیا اور ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور زور دیا کہ وہ زکوٰۃ حکومت کو ادا کریں۔[۲۰] حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عمل سے یہ بتا دیا کہ اسلام میں خدا سے تعلق اور عدل عمرانی سے وابستگی دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ درحقیقت قرآن کے الفاظ میں عدل عمرانی کا فقدان دراصل فساد فی الارض ہے۔

یہ صحیح ہے کہ نادار لوگوں کی مالی فلاح کے مسئلہ پر وعظ یا ایک لیکچر دے دینا اچھی بات ہے۔ مگر ایک صحت مند فکر کو حکمرانی کی سطح پر عمل میں لانا اور انسان کو تباہی اور استحصال سے بچانا یقیناً عدل عمرانی کی تاریخ میں ایک ماورائی انقلابی قدم ہے، جسے پیغمبر اسلام اور ان کے قریبی ساتھیوں نے اٹھایا۔

پیغمبر ﷺ کی سوشل اصلاحات میں والدین کی چھوڑی ہوئی جائداد میں عورت کا حصہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں پیغمبر ﷺ نے اراضی کی اصلاح کا تعارف بھی کرایا، جس میں بتایا کہ جو شخص زمین کاشت کرتا ہے، وہی اس کا مالک ہے۔[۲۱]

سوسائٹی کے کمزور طبقوں کی بہبود پر پیغمبر ﷺ کے زبردست زور دینے کے مسئلہ پر مصر کے معروف دانش ور ڈاکٹر طہٰ حسین نے لکھا: "میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اگر پیغمبر ﷺ قریش کو صرف توحید الٰہی (وحدت الٰہ) کی طرف بلاتے اور ان کے عمرانی اور معاشی معاملات میں مداخلت نہ کرتے، مثلاً غلام اور آزاد، غریب اور امیر اور کمزور اور طاقتور کے درمیان مساوات کا اعلان نہ کرتے، یا سود پر قدغن (Ban) نہ ہوتی اور غریبوں کی بہبود کے لیے امیروں

پر زکوٰۃ نہ ہوتی--- القصہ اگر پیغمبر ﷺ قریش کے عمرانی اور معاشی نظام کو چھیڑے بغیر انہیں صرف توحید کی طرف بلاتے تو قریش کی اکثریت آسانی سے پیغمبر ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیتی کیونکہ وہ نہ تو بتوں کے ساتھ' نہ ہی اپنے جھوٹے خداؤں کے ساتھ خلوص رکھتے تھے۔"(۲۲)

عدل عمرانی پیغمبر ﷺ کے عظیم مشن کا ایک اہم عنصر تھا۔ جس کے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھی عدل عمرانی کو حیات اخروی میں نجات کا ایک ذریعہ تصور کرتے تھے۔ وہ اپنے عمرانی اور سیاسی معاملات کو عدل اور اخلاقی ذمہ داری کے گہرے احساس کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرتے اور بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ایک ہی سادہ کپڑے میں رہتے تھے۔ جسے اکٹھا رہنے کے لیے وہ سوئی (Pin) استعمال کرتے تھے۔ انہیں دو سوئیوں والا آدمی کہا جاتا تھا۔ ایسے ہی حضرت عمرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور زیتون کے تیل پر گزارہ کرتے تھے۔ ان کے کرتے میں ایک درجن پیوند لگے ہوتے اور بعض پیوند تو چمڑے کے ہوتے۔ (۲۳) صحیح بات یہ ہے دنیا سے لاتعلقی کے تصور نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ کی زندگیوں میں ایک خوبصورت صورت میں ظہور پایا تھا۔ خدا کا خوف اور حیات اخروی میں احتساب کے زبردست احساس نے ان کی عمرانی اور سیاسی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کیا ہے' وہ نئے وقت میں آنے والے مسائل کو سلجھانے کی بصیرت رکھتے تھے۔ وہ عدل' مساوات اور آزادی کے بلند نظریات سے گہرا لگاؤ۔ یہی وجہ تھی کہ قیام عمل کے لیے حضرت عمر اپنے پر خلوص تجربات سے مطمئن نہیں تھے اور کہتے تھے کہ جو کچھ آج میں جانتا ہوں اگر پہلے جانتا ہوتا تو میں امراء سے زائد دولت لے کر چھین کر غربا میں تقسیم کر دیتا۔ (۲۴)

حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ بات عیاں ہے کہ ان تجربات کا بنیادی مقصد عدل انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دستوری یا قانونی اداروں کی تشکیل تھی۔ اور اس طرح دولت کی مساوی تقسیم' عدل کی فراہمی اور انسان کے احترام کو یقینی بنانا تھا۔ بدقسمتی سے یہ تجربات ان کی اچانک شہادت کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام کے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ

نے عدل عمرانی کے لیے حضرت عمرؓ کے تجربات کو واپس لانے کی مقدور بھر کوشش کی۔ مگر حضرت عثمانؓ کی کمزور ایڈمنسٹریشن میں مکہ کی ارسٹوکریسی نے سر اٹھایا اور انارکسٹوں (خوارج) کی بنیاد پرستی نے حضرت علیؓ کی شدید مخالفت کی یہاں تک کہ علیؓ کو شہید کر دیا گیا اور مکہ کی قدیم ارسٹوکریسی (اشرافیہ) دمشق میں اپنی ملوکیت کو استوار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

آج انسان اپنے سیاسی' قانونی' معاشی اور مذہبی حقوق سے بہت باشعور ہو گیا ہے۔ اور وہ استحصال کی ہر شکل کے خلاف جو انسانی محنت کو اپنی شرائط پر خریدنا چاہتی ہے' بغاوت کرتا ہے۔ جب تک ہم عدل عمرانی سے متعلق اپنے بلند تصورات کو بلند وسائل کی راہ سے وجود میں نہیں لائیں گے۔ اس وقت تک ہمارے پورے اجتماعی نظام اور ہمارے دعوؤں کی آزمائش جاری رہے گی۔ چوں کہ مسیحیت اور اسلام دونوں ہی زندگی کی ماورائی اقدار پر یقین اور حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ خدا کی عظمت اور انسان کی مسرت کے لیے مل جل کر کام کریں۔

حوالہ جات:

۱۔ تم اس نچلی دنیا کے ہو' میں آسمانی دنیا کا ہوں۔ یوحنا باب ۸ : ۲۳

۲۔ فضل الرحمان: قرآن کے بنیادی افکار (انگریزی) (شکاگو' ۱۹۸۰ء)' ص ۱۸

۳۔ سنن ابو داؤد' کتاب السنہ' (قاہرہ' ۱۹۵۱)' جلد ۴/۳۲۷ (ایڈیشن' محمد محی الدین' عبدالحمید)

۴۔ محمد اقبال: اسلام میں مذہبی فکر کی نئی تشکیل (لاہور' ۱۹۸۶ء) صفحہ ۷ (مرتب کردہ محمد سعید شیخ)

۵۔ صحیح بخاری (کتاب الرقاق' باب ۳)

۶۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الزہد' (قاہرہ ۱۹۵۴ء)' جلد ۲' ص ۱۳۷۶ (ایڈیشن' محمد فواد عبدالباقی)

۷۔ متی کی انجیل' ۲۴: ۳۶' لیکن اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا' نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ۔

۸۔ صحیح بخاری' کتاب الرقاق

۹۔ اللولو والمرجان فیما اتفق علیه الشیخان۔ (قاہرہ ۱۹۴۹ء)' جلد ۳/۴۱۹' مرتب کردہ

محمد عبدالباقی' روایت کی تشریح کرتے ہوئے قرطبی نے کہا ہے کہ اپنی دعا میں' پیغمبرﷺ فرماتے تھے: خدایا! زندگی کے گزارہ کے لیے مناسب ذرائع عطا فرما' (کفاف) یہ کفاف انسان کو غربت اور امارت دونوں کی برائیوں سے بچاؤ کرتی ہے۔

۱۰۔ ایضاً ۳/۱۶۰

۱۱۔ کتاب الصدق آف الخرّاز' انگریزی ایڈیشن از اے۔جے۔ آر بری (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۷ء)' صفحہ ۲۰

۱۲۔ صحیح بخاری' کتاب الرقاق' بہ روایت ابو ھریرہؓ

۱۳۔ دیکھو ایڈورڈ لین (E.Lane)' عربی انگریزی قاموس (نیویارک ۱۹۵۶ء)' صفحہ ۲۴-۳۷ (۶-۱)

۱۴۔ ابوالقاسم القشیری: الرسالہ' ترجمہ ابرہیم بن ادھم۔

۱۵۔ محمد اقبال: اسلام میں مذہبی فکر کی نئی تشکیل' صفحہ ۷۴

۱۶۔ صحیح بخاری' کتاب التفسیر' سورہ ۳۱

۱۷۔ مشکوہ المصابیح' باب البر

۱۸۔ سیرت ابن ہشام (قاہرہ ۱۹۵۵ء) جلد اول' صفحہ ۲۹۷-۲۹۵' مرتب کردہ مصطفےٰ السقاء۔ قریش کے سرداروں نے آپ کو دولت اور عزت (الشرف) کی پیش کش کی۔ اور اعلیٰ ترین اتھارٹی' پیغمبرﷺ نے اسے مسترد کر دیا اور فرمایا: "خدا نے مجھے بحیثیت پیغمبر بھیجا ہے۔ اگر تم میرے پیغام کو قبول کرتے ہو تو اس دنیا اور آخرت میں تمہارا بہتر حصہ ہو گا۔" (صفحہ ۲۹۶)

۱۹۔ دیکھو قرطبی' (قاہرہ ۱۹۳۹ء)' جلد ۸' صفحہ ۱۷۴

۲۰۔ ملاحظہ ہو: قرآن مجید ۴۹: ۱۴۔ دراصل بدوی عرب جسے قرآن مسلمان کہتا ہے' صاحب یقین نہیں تھے' وہ اس اخلاقی اور روحانی تربیت سے محروم تھے۔ جسے مکہ دور کے اہل ایمان نے پیغمبرﷺ سے حاصل کی تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جو سچائی (حق پرستی) سے مضبوط پیمان وفا رکھتے تھے۔ یہی لوگ تھے' جنہوں نے اسلام کی تاریخ میں اخلاقی اور عمرانی کردار ادا کیا ہے۔

۲۱۔ پیغمبرﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ وہ اپنی اس زمین کو چھوڑ دیں جسے وہ خود کاشت نہیں کر سکتے۔ (صحیح بخاری' باب مزارعہ)

۲۲۔ عثمان (قاہرہ ۱۹۵۱ء) صفحہ ۱۱ اور فضل الرحمٰن: اسلام' (شکاگو ۱۹۷۹ء) صفحہ ۴۔ فضل الرحمٰن لکھتے ہیں

کہ پیغمبر ﷺ پر نازل آیات کریمہ کو بہت احتیاط سے پڑھنا چاہیے' جن کے نتائج کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ (توحید الٰہی اور سماجی و معاشی انصاف) یہ ایک ہی تجربے (نزول وحی) کا اظہار ہیں۔

۲۳۔ کتاب الصدق (اربری ایڈیشن)' صفحہ ۲۰

۲۴۔ طہ حسین: عثمان' صفحہ ۱۷

☆☆☆